شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ کے سبق کی کچھ یادیں؛ کچھ باتیں

مفتی طاہر صاحب سورتی

(خلق أبو داود فی الدنیا للحدیث وفی الاٰخرة للجنة)

"خلق أبو داود فی الدنیا للحدیث وفی الاٰخرة للجنة" دنیا کے اندر ابوداود حدیث کے لیے پیدا کیے گئے تھے، اور آخرت میں جنت کے لیے۔ ایک اور جملہ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "ألین لأبی داود الحدیث کما ألین لداود الحدید" حضرت امام ابوداودؒ کے لیے حدیث کو ایسا نرم کردیا گیا تھا جیسا کہ حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا۔ یہ دونوں جملے اس زمانے کے اندر پورے پورے صادق آتے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ تعالی کے لیے۔ ان کا حدیث کے علاوہ کوئی مشغلہ ہی نہیں تھا۔ کبھی درس کے دوران وجد کے اندر آجاتے تھے، مزے لے لے کر فرماتے تھے:

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

اردو کا ایک شعر پڑھتے تھے:

جو لکھا پڑھا تھا حفیظ نے
اسے صاف دل سے بھلا دیا

بس حدیث کے علاوہ اور کچھ پتہ نہیں تھا، صبح اٹھنے سے لے کر رات کو سونے تک

صرف حدیث۔ لوگ تو کوئی کتاب پڑھاتے ہیں، اب تو اتنی زیادہ تنزلی آگئی ہے کہ لوگ اب تو صرف اس کتاب کی شروحات بھی پوری نہیں دیکھتے، شیخ کا یہ معاملہ تھا کہ جو پڑھا رہے ہیں، اس کے متعلق ایک نہیں، درجنوں شروحات، اور صرف شروحات نہیں اس کے متعلق رجال، اب رجال کے لیے بے شمار کتابیں، (تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، سیر أعلام النبلاء، الاکمال، لسان المیزان) ساری کتابیں۔ پھر غریب الحدیث کے متعلق کتابیں، ہر لفظ کو اس کی اصل سے نکال کر لاتے تھے، اصل لغت میں اس کا کیا مطلب، ہر چیز کی اندھی کی چندھی۔ نصیحت تو اصل لغت میں اس کے کیا معنی؟ ہم تو کہتے ہیں کہ خیر خواہی، لیکن شیخ کہتے تھے کہ: اصل لغتِ عرب میں اس کا مطلب ہے: ''کسی چیز کو سینا''، اور وہیں سے وہ اس کی وجہِ تسمیہ لاتے تھے، کہ نصیحت کا معنیٰ خیر خواہی کیوں ہوتا ہے؟ اب یہ ایسا سوال ہے جو کسی کے ذہن میں نہیں آتا۔

مزاج کے اندر اصلاح کا جذبہ، خادم جو بن گیا سمجھو اس کی تو شامت آگئی، عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ خادم کے حلوے پکوڑے ہو جاتے ہیں، لیکن یہاں جو خادم بنا اس کی شامت آگئی۔ خادم کی قدم قدم پر اصلاح، قدم قدم پر ٹوکنا، اور مزاج میں حدت تھی ہی، لیکن جب اصلاح کا پہلو بھی ساتھ میں آتا تو کبھی کبھی مصنوعی حدت بھی ہو جاتی، مصنوعی غصہ بھی کرتے۔ اور اتنا زبردست کہ آدمی ہر وقت چوکنا رہے۔ ان کی زیادہ توجہ جو ہوتی تھی وہ اوصافِ باطنہ پر ہوتی، اور ان پر اندرونی حالات فوراً منکشف ہو جاتی، اسے فوراً پکڑ لیتے، عبارت پڑھتے پڑھتے جب ذرا سا عجب اور پندار والی بات پیدا ہو تو فوراً پتہ چل جاتا، فوراً ٹوکتے کہ ''اترا کر عبارت نہ پڑھ! عجب اچھی چیز نہیں ہے۔'' اتنا سخت ڈانٹتے کہ اس کے بعد پھر انسان کے دل کے اندر اس جذبہ کے آنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ ایسا کہ اس کے لیے ساتھیوں کے

سامنے سر اٹھا کر چلنا مشکل ہو جائے۔ اس کو ایسا لگے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ تو کیا مجال ہے کہ اس کو عجب و کبر پیدا ہو۔ اکثر و بیشتر مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ عبارت بخاری و مسلم کی میں نے اکیلے نے پڑھی، الحمدللہ! اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں نے جب عبارت پڑھنے کی کوشش کی تو اس میں اغلاط تھیں، میں نے جب پڑھی تو شیخ کو پسند آئی اور فرمانے لگے کہ اب تو عبارت یہی پڑھے گا، اس کے علاوہ کوئی نہ پڑھے گا۔ اس لیے کہ صحیح عبارت پڑھنے والا آدمی برسہا برس کے بعد مجھے ایک آدمی ملا ہے۔ اس لیے اب کوئی نہ پڑھے گا۔ اس سے پہلے جو عبارت پڑھنے والے لڑکے ہوتے تھے ان کو میں غلطیاں بتاتے بتاتے تھک جاتا تھا، اور اخیر میں سرینڈر ہو جاتا تھا کہ اب ان کو جیسے چاہو پڑھو، اتنی ساری غلطیاں کون بتائے گا۔ اس لیے الحمدللہ! مجھے یاد ہے کہ بخاری و مسلم کی عبارت بالاستیعاب میں نے پڑھی سوائے ابتدا کے دو تین دن کے، لیکن عبارت پڑھنا شیخ کے پاس! مجھے یاد ہے کہ اکثر و بیشتر ایام ایسے گزرے ہیں کہ میں رو رہا ہوں، اور عبارت پڑھ رہا ہوں، شیخ ڈانٹتے جا رہے ہیں، میں روتا جا رہا ہوں اور عبارت پڑھتا جا رہا ہوں۔ پھر ڈانٹ کس چیز پر؟ الحمدللہ! اعراب کے اندر تو کوئی غلطی ہوتی نہیں تھی، لیکن اعراب کے اندر بھی شیخ ذرا بھی بے توجہ نہ ہوتے تھے۔ میں نے پڑھا "محمدٌ وَالخمیصَ"، تو فوراً پوچھا: کیوں "الخمیصَ" میں نے کہا: مفعول معہ ہے۔ تو ہنسنے لگے، اور فرمایا: چل! تجھے معلوم ہے۔ اصل میں وہاں دونوں احتمال ہیں: "الخمیصَ ، تو میں" نے "الخمیصَ" پڑھا، تو پوچھا، کہ یہ سمجھ کر پڑھ رہا ہے یا نہیں؟ وہ تو ٹھیک ہے۔ اب مسئلہ یہ ہوا کہ سوچا کہ یہ حدیث تو پہلے آچکی ہے، اب اس پر بولنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے، تو اگلی حدیث شروع کر دی، تو شیخ اس پر ناراض، کہ اس کا مطلب سمجھا، اس کا معنیٰ بتا، یہ لفظ تو پہلی مرتبہ آیا ہے، پہلے نہیں آیا ہے، مجھے تو اس

پر بولنا ہے، تو آگے جا رہا ہے۔ اب آگے ایسا ہوا کہ اور کوئی مکرر حدیث آئی – بخاری میں مکررات بہت ہیں – تو اس پر اٹک گئے، تو شیخ کہنے لگے کہ کیا میرا منہ دیکھ رہا ہے، تجھے کیا چاہیے؟ اتنی لمبی تقریر وہاں کی تھی وہ تجھے کافی نہیں ہوئی؟ ایک لفظ نیا آ گیا تو اس پر ٹھیرنا اور بولنا ضروری ہے۔ بخاری شریف کا سبق ایسا ہوتا تھا کہ چوتھا گھنٹہ ساٹھ منٹ کا، اور اس کے بعد ایک گھنٹہ مزید، یہ تو دو گھنٹے ہو گئے۔ پھر بقر عید کے بعد مغرب کے بعد کا درس شروع ہو جاتا بخاری کا۔ اور وہ بھی ساڑھے چار گھنٹے، پانچ گھنٹے۔ ذرا بھی تھکن نہیں، ذرا بھی اکتاہٹ نہیں۔ یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو شیخ یوں سوچتے کہ بھائی! دورہ والے اپنی جماعت کر لینا! ابھی سبق پڑھو! جمعرات کے دن سبق، جمعہ کے دن سبق! پوری بخاری پوری مکمل تحقیق اور تفصیل کے ساتھ، کوئی لفظ بخاری کا ایسا نہیں جس کو شیخ نے تشنہ چھوڑا ہو۔ اس لیے حضرت شیخ نے اپنی حیات میں ہی ان کو شیخ الحدیث بنایا۔ ایسے نہیں بٹھا دیتا اتنا بڑا وقت کا شیخ الحدیث اپنے شاگرد کو۔ ۳۳؍سال کی جوانی میں ان کو مسندِ مشیخت پر بٹھا دیا۔ تراجمِ بخاری، بخاری شریف کے اندر جو سب سے مشکل ہے وہ ہے ترجمۃ الباب مشہور ہے: ”فقه البخاری فی تراجمه“ امام بخاری کے تفقہ کا اندازہ ان کے تراجمِ ابواب سے ہوتا ہے، اور تراجم کو سمجھنے کے لیے لوگوں نے بڑی محنتیں کی ہیں، شراح نے بہت زور لگایا ہے کہ یہ مطلب ہو سکتا ہے، یہ مقصد ہو سکتا ہے، سب احتمالات کے درجے میں۔ آپ ”الابواب والتراجم“ دیکھیں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی، اس میں حضرت شیخ نے کئی مرتبہ مقصدِ ترجمہ کے باب میں شیخ یونس صاحبؒ کی رائے کو ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں شیخ یونس کی یہ رائے ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ استاذ اپنے اپنی کتاب میں شاگرد کی رائے لکھ رہا ہے۔ اور اس کے سلسلہ (تراجمِ ابواب کے سلسلہ میں) میں شیخ کی اپنی جو رائیں ہیں اس

کے بارے میں عرب علماء اور محققین کا یہ تأثر ہے کہ جیسا تراجمِ ابوابِ بخاری کو شیخ یونس نے جو سمجھا ہے ایسا آج تک کسی شارح نے نہیں سمجھا ہے۔ آپ سوچیے! اس میں ابنِ حجر بھی آگئے، جن کی فتح الباری نمبر ایک پر ہے۔ اور ہم کو تو یاد ہے درس کے دوران جب کسی حدیث کے مطالب کو بیان کرتے تھے (حافظ نے یہ لکھا ہے، عینی نے یہ لکھا ہے، قسطلانی نے یہ لکھا ہے، طیبی نے یہ لکھا ہے) سارا زبانی بولتے چلے جاتے تھے۔ حافظہ اللہ نے عجیب وغریب دیا تھا، جو محدث کی شایانِ شان ہے۔ ایک محدث کا جو حافظہ ہوتا ہے، ہم نے پہلے کے لوگوں کے بارے میں جو سنا ہے (ابن حجر کا حافظہ، ذہبی کا حافظہ، اور قریب زمانے میں علامہ کشمیریؒ کا حافظہ)، سند کے ساتھ، متن کے ساتھ روایات، اور مصادر کے ساتھ (رواہ البخاری، رواہ احمد، رواہ الدیلمی) اور نام تو کتابوں کے اور مصنفین کے ایسے ایسے کہ زندگی میں کبھی سنے ہی نہیں۔ شیخ کا معمول یہ تھا کہ ہر چیز کو نام کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ (بعض لوگ، بعض کتابوں میں یہ ہے، ایسا نہیں) پھر حدیث کا کیا درجہ ہے؟ اس کے ساتھ۔ ابھی سہارنپور میں مولانا ثوبان (مولانا سلمان صاحب کے صاحبزادے، جو حضرت شیخ الحدیث کے نواسے ہیں، بالکل نوعمر ہیں) واقعہ سنانے لگے کہ ایک مرتبہ مولانا زکریا صاحبؒ نے کوئی روایت بیان کی، اور فرمانے لگے کہ یہ روایت اس سند سے ضعیف ہے، لیکن دوسرے طرق سے اس کی تائید ہوجاتی ہے۔ شیخ یونس صاحب اسی وقت فوراً بول پڑے برجستہ کہ میں نے اس کے سارے طرق دیکھ لیے ہیں، کسی سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی، شیخ کو اعتماد تھا ان کے علم پر ان کی تحقیق پر۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا کہ کسی حدیث کے مطلب میں پریشان ہوتے، تو رات کو خواب میں کبھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہے ہیں، کبھی حضرت عائشہؓ کو دیکھ رہے ہیں، کبھی کسی صحابی کو دیکھ رہے ہیں، کہ حدیث کے اس لفظ کا کیا مطلب ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا، تو ان

کو بتایا جا رہا ہے۔خود شیخ سے ہم نے سنا ہے، خود شیخ بیان کرتے تھے، کتابوں سے بڑا عشق اور بڑا لگاؤ۔اس زمانے میں سہارنپور میں جب اختلاف ہوا تھا۔دو مدرسے ہوئے۔مظاہر علوم وقف الگ ہوا، مظاہر دارِ جدید الگ ہوا۔تو اس وقت ایسا ہوا کہ شیخ جب مظاہر وقف چھوڑ کر جب دارِ جدید میں آئے، تو شیخ کی کتابیں سب وہیں رہ گئیں مدرسہ قدیم میں۔اور مدرسہ والوں نے شیخ کی کتابوں پر قبضہ کر لیا، شیخ کی کتابیں دینے کو تیار نہیں، شیخ کے کمرے کو تالا لگا دیا تھا۔(ہمارا وہ دورہ کا سال تھا، یعنی مدرسہ تو الگ ہو گیا تھا لیکن شیخ کی کتابیں اب تک نہیں آئی تھیں) شیخ درس کے دوران بالکل رو دیتے تھے، بچو! میری کتابیں آجائیں۔اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کتابیں بھی بھجوا دیں۔کتاب اگر خادم سے گر گئی تو سمجھو کہ قیامت آگئی۔کتاب کیسے گر گئی۔اور ہر کتاب کے اوپر پلاسٹک چڑھا ہوا ہوتا تھا (آج بھی کتابیں ایسی ہی ہیں پلاسٹک والی) اس وقت جب پلاسٹک کا زمانہ نہیں تھا تو شیخ کہتے تھے کہ اوپر والی کتاب کو الٹ کر رکھ دو، کیوں کہ اوپر والا حصہ کتاب کا چہرہ ہے، اور چہرہ خراب نہ ہونا چاہیے۔اور شیخ کو وہ خادم بہت پسند تھا جو شیخ کو فوراً کتاب نکال کر لا کر دے۔الحمد للہ! ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی، مجھے ہفتہ دس دن لگے تھے، اور میں نے ساری کتابوں کا پتہ لگا لیا تھا کہ کون سی کتاب کہاں رکھی ہے۔اور ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ شیخ مغرب کے بعد مطالعہ کر رہے تھے۔مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ جزئیہ تلاش کرنا ہے، امام نوویؒ کی کتاب میں، شیخ نے کتاب مجھے دی، میں نے اس کو تلاش کیا، اور شاید دس بارہ منٹ میں الحمد للہ وہ مسئلہ نکال کر شیخ کو دیا، اور مجھے شاید ڈر لگا کہ کیا یہی مسئلہ شیخ نے پوچھا ہے؟ تو شیخ کو ڈرتے ڈرتے دیا کہ شاید یہی مسئلہ ہے۔تو ایک دم شیخ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی، خوشی سے شیخ کا چہرہ دمکنے لگا، کہ یہی مسئلہ ہے! اتنے سالوں سے میں یہ مسئلہ تلاش کر رہا ہوں، مجھے نہیں مل رہا تھا، تو نے مجھے تلاش کر کے دے دیا،

اور دوسرے دن سبق میں جب مسئلہ بیان کیا (ڈھائی سو طلبہ تھے تقریباً سبق میں) تو بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ بچو! یہ مسئلہ میں کئی سالوں سے تلاش کر رہا تھا، مجھے نہیں مل رہا تھا، طاہر نے مجھے چند منٹوں میں تلاش کر کے دے دیا۔ تو شیخ کو علم سے، کتابوں سے بہت لگاؤ تھا۔ سردی کے اندر بالکل مشلہ پہن کر آتے تھے، بہت خوبصورت لگتے تھے مشلہ کے اندر۔ اس کی ایک شان ہوتی تھی۔ اور عام دنوں جیسا ہی شیخ کا سبق ہوتا تھا، سردی کی وجہ سے کوئی رعایت نہیں ہوتی تھی۔ شیخ یحییٰ ابھی آئے ہوئے ہیں مکہ مکرمہ سے، ان سے میں نے تحقیق کی، ان کے حوالے سے ایک بات سنی تھی کہ شیخ نے آپ سے یہ فرمایا کہ شیخ نے عمدۃ القاری کا تقریباً ۱۰۰؍مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ تو کہنے لگے کہ عمدۃ القاری کے بارے میں نہیں بلکہ فتح الباری کے بارے میں۔ فتح الباری کا سو مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ وہ جو حقیقی طالبِ علم ہوتا ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے۔

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل! پار ہو جانا
ویراں ہے مے کدہ، خم و ساغر اداس ہے
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے
بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ
مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا اندازا
کہ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

شیخ کی زندگی ایک درس ہے، ایک عبرت ہے، آپ لوگوں کے لیے خاص طور سے،

ابھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوانی دی، مہلت دی، فرصت دی ہے، صحت دی ہے، آپ اگر یہ طے کریں کہ شیخ یونس ہم بنیں گے۔ آپ ہمت کریں گے، ارادہ کریں گے اللہ تعالیٰ مدد کریں گے، جب شیخ یونس؛ شیخ یونس بن سکتے تھے تو آپ کیوں نہیں بن سکتے؟ نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے، رسالت کا بند ہوا ہے، ”فمن شاء فلیکثر ومن شاء فلیقل“، ہماری تو درخواست یہ ہے کہ خوب محنت کریں، اپنے اوقات کو صحیح استعمال کریں۔اور محنت کا رخ بھی صحیح ہو، ہر چیز کو تحقیق سے لیں، کوئی بھی لفظ چل چلاؤ نہ لیں، بخاری شریف کا بالکل آخری باب جو ہے اس میں محدث سہارنپوریؒ نے ایک بات ایک شارح کی طرف منسوب کی ہے، تو ہم تو اس کو پڑھ لیں، یہی بڑی بات ہے، اور پڑھ لی تو اسے سچا سمجھ کر بیان کر دیں گے، شیخ نے کھروڈ کے درس میں چار سال پہلے یہ فرمایا تھا کہ میں نے اس کی جستجو کہ مولانا سہارنپوری نے یہ بات علامہ..........کی طرف جو نسبت کی ہے تو انہوں نے کہاں لکھا ہے؟ تو بہت تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملی، تو پتہ چلا کہ ایک کتاب کے اندر جہاں وہ بات پوری ہو جاتی ہے تو انہوں نے اس کو پوری نہ کی، بلکہ مسلسل کر دیا، تو اس طرح ان کی طرف غلط منسوب کر دی ہے۔ شیخ نے اس کو پکڑ لیا کہ شیخ یہ غلطی کس طرح ہوئی؟ یہ ہے اصل طالب علمی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء وأفضلہ وسید سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ أجمعین، أما بعد: عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نضر اللّٰہ امرأً سمع مقالتي فحفظها ووعٰها وأدّٰها، فرب حامل فقه إلي من هو أفقه منه ورب حامل فقه غير فقيه. وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أللهم ارحم خلفائي. قالوا: ومن خلفاءك يارسول الله؟ قال: الذين يروون أحاديثي ويبلغونها الناس. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: اللہ تروتازہ رکھے، خوشحال رکھے اس انسان کو جو میری بات کو سنے، اس کو سن کر یاد کرلے، اور دوسرے لوگوں تک پہنچادے۔ کیوں کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جس شخص کو حدیث پہونچا رہا ہے، بتا رہا ہے، وہ اس بتانے والے سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے، اس بتانے والے سے زیادہ اس حدیث سے فائدہ اٹھانے والا ہوتا ہے۔ ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے، خوشحال رکھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ہے۔ حدیث پڑھانے والے کے لیے، حدیث پڑھنے والے کے لیے، حدیث سیکھنے والے کے لیے اور حدیث سکھانے والے کے لیے۔ ایک دوسری روایت ہے: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی: ''اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما، جو میری جگہ پر بیٹھنے والے ہیں، میری جگہ سنبھالنے والے ہیں، ان پر رحم فرما''، صحابۂ کرام جو موجود تھے، انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ جو آپ کی جگہ سنبھالنے والے ہیں، آپ کی جگہ بیٹھنے والے ہیں، وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو میری احادیث کو روایت کرتے ہیں، دوسروں سے حاصل کرتے ہیں، اور دوسروں تک پہنچا

دیتے ہیں، یہ میرے خلفاء ہیں، اور یہ میرے جانشین ہیں۔

اس وقت ہماری طبیعت پر تقریباً امت کے اکثر افراد پر ایک اثر ہے، ایک صدمہ کا، شیخ الحدیث، امیر المؤمنین فی الحدیث فی ہذا العصر (اس زمانے کے اندر جن کو اللہ تعالیٰ نے حدیث کے اندر تمام مسلمانوں کے امیر ہونے کا درجہ عطا فرمایا تھا) شیخ الحدیث ہمارے استاذ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ابھی تین دن پہلے انتقال ہوا سہارنپور میں۔ ۸۰ رسال کی عمر۔ ان کی حالاں کہ کئی سالوں سے بیمار چل رہے تھے، اور دو سال پہلے تو ایسی حالت ہوگئی تھی کہ تقریباً ہر آدمی امید چھوڑ چکا تھا، کڈنیاں بالکل فیل ہو چکی تھیں، اور مستقل ڈایالسس پر ان کو رکھا گیا تھا، کئی دنوں تک مدینہ منورہ کو ہاسپٹل میں، پھر وہاں سے طبیعت قابو میں آئی تو یہاں بمبئی کی ملت ہاسپٹل میں رکھا گیا تھا، اس وقت بالکل امید ختم ہو گئی تھی، کہ اب شیخ دنیا میں زیادہ دن رہیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یوں سمجھئے کہ ایک نئی زندگی شیخ کو عطا فرمائی اور دو سال مزید زندہ رہ کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اس کے باوجود جیسے وہ بات دل و دماغ سے ہٹتی نہیں ہے، ہر وقت یہی خیال آتا رہتا ہے کہ شیخ چلے گئے، شیخ چلے گئے۔ اور یہ کسی ایک آدمی کا تاثر نہیں ہے تقریباً ہر آدمی کی یہ کیفیت ہے، کسی کو کم ہے، کسی کو زیادہ ہے، جو زیادہ واقف تھا اس پر زیادہ اثر ہے، جو کم واقف تھا اس پر کم اثر ہے۔ لیکن کم و بیش امت کا ہر فرد اس صدمہ سے دوچار ہے، متأثر ہے، اور یہ قیامت کے قریب آنے کی نشانی ہے۔

بخاری شریف کے اندر روایت موجود ہے کہ قیامت کے قریب دنیا سے علم اٹھ جائے گا، اب سوال پیدا ہوا کہ علم کیسے اٹھ جائے گا؟ کیا ایسا ہوگا کہ لوگ رات کو سوئیں گے، صبح اٹھیں گے تو دنیا کے اندر سے ساری کتابیں غائب ہو چکی ہوں گی؟ اس طرح دنیا سے علم

اٹھایا جائے گا؟ تو علم دنیا سے کس طرح اٹھے گا اس کی بھی حدیث میں خود حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی، یوں فرمایا: "إن اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعا ینزعہ من الناس " اس طرح اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے نہیں اٹھائیں گے، کہ ایک دم سے اٹھ جائے گا، "إن اللّٰہ یرفع العلم بقبض العلماء" (أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام) اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح اٹھائیں گے کہ علماء کو ایک ایک کر کے دنیا سے اٹھالیں گے۔ اور یہ دنیا ایک ایک کر کے علماءِ دین سے محدثین سے محروم ہو جائے گی، اور اب ہم لوگوں کے لیے بہت زیادہ ڈرنے کا موقع ہے، بہت ہی زیادہ سنبھلنے کی ضرورت ہے، بہت ہی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اہل اللہ جو دنیا میں ہوتے ہیں، جو دنیا میں موجود رہتے ہیں، یہ ہم لوگوں کے لیے ایک دیوار ہوتے ہیں، فتنوں سے حفاظت کے لیے ایک آڑ ہوا کرتے ہیں۔ اہل اللہ کا وجود امت کے لیے حفاظت ہوا کرتا ہے۔ یہ اصحابِ خدمت ہوتے ہیں۔ یہ تو دوسرے لوگ طے کریں گے کہ قطب کون ہوتا ہے؟ ابدال کون ہوتا ہے؟ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے استاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب جونپوری روحانیت کے ایک بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ اس مقام کا نام دینا یہ ہمارا رتبہ ہی نہیں ہے، کہ ہم اس مقام کا نام دیں کہ قطب تھے، یا ابدال تھے، یہ تو اس لائن کے جو لوگ ہوتے ہیں وہی جانیں گے، لیکن اتنا ہمیں پتہ ہے کہ روحانیت کے ایک بہت اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو فائز فرما دیا تھا۔ کچھ ابھی شیخ کی میں آپ کو بات سناؤں ۱۹۹۲ء میں میں شیخ کے پاس رہا ایک سال، الحمد للہ! اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، میرا یہاں افتاء پورا ہو رہا تھا، تو آئندہ سال کیا کرنا اس کا مشورہ کرنے کے لیے حضرت کے پاس گیا، اور میں نے اپنا یہ شوق بتایا کہ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جا کر کے عربی ادب کے

دوسال کا کورس کرلوں۔تو حضرت مفتی صاحب نے مجھے منع فرمادیا، اورفرمایا کہ تم پہلے شیخ یونس صاحب کے پاس جا کر کے بخاری اور مسلم پڑھ لو۔بس !الحمدللہ حضرت کا یہ حکم ہمارے لیے کافی تھا،سب ارادے موقوف کردئے،وہاں جانے کا طے کردیا،وہاں چلے گئے،شیخ کے پاس جا کر کے سلام کیااور اپناارادہ بتایا،تو شیخ نے یہ بتایا کہ بخاری اور مسلم تو پڑھنی ہی ہے، لیکن باقاعدہ ایڈمیشن لے لو! داخلہ لے لو! ورنہ تمہاراوقت ضائع ہوگا۔پورادورہ واپس سے پڑھ لو۔میں گیا تھا صرف دو کتابیں پڑھنے،لیکن شیخ نے کہا کہ پورادورہ واپس سے پڑھ لو، ورنہ تمہاراوقت ضائع ہوگا۔الحمدللہ! فوراًاس پر بھی عمل کیا، باقاعدہ داخلہ لے کر کے وہاں شیخ کے پاس رہتا تھا، شیخ کے چھوٹے موٹے کام بھی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔شیخ کی دعائیں بھی ملتی تھیں، ڈانٹ بھی سنتے تھے، پٹائی بھی الحمدللہ کھائی، شیخ کے ہاتھ کی ماربھی کھانے کی سعادت ہم کونصیب ہوئی۔

شیخ کے یہاں اپنا ایک دربار چلتا تھا،ان کی ایک بالکل الگ شان تھی۔بزرگوں کے جورنگ الگ الگ ہوتے ہیں، وہاں ایک پوراالگ رنگ تھا۔ایک صاحب آئے کہ میری دادی بہت بیمار ہے،آپ دعاءکردیجئے کہ اچھی ہوجائے۔کہنے لگے کہ ارے اب کیااس کو اچھی کرے گا،اس کو بھیج دے اب دنیا سے، بہت رہ لیااس نے۔ایک صاحب کہنے لگے کہ میری چچی حج کے لیے گئی ہوئی ہیں،تو ان کے لیے دعاکریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ لے جائے اور عافیت کے ساتھ لے آئے،تو کہا کہ ارے دعاءکرتا ہوں کہ اللہ اس بوڑھی کو وہیں رکھ لے۔یہ ان کی ایک شان تھی اپنی، دل لگی بھی بہت کرتے تھے، مذاق بھی بہت کرتے تھے۔ایک مرتبہ وہاں شیخ کے پلنگ کے اوپر کالی چادرتھی یا ڈارک رنگ کی چادرتھی،اورمچھراس کی وجہ سے آرہے تھے،تو میں نے کہا کہ حضرت !یہ جوڈارک رنگ ہوتا

ہے اس پر مچھر بہت آتے ہیں، تو کہنے لگے کہ پھر تو آپ کو مچھر بہت پریشان کرتے ہوں گے۔

تو میں یہ سنانے جا رہا تھا کہ ۱۹۹۲ء کا سال ہے، جو سہارنپور میں میں وہاں پر موجود ہوں، اور اسی زمانے میں مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کا انتقال ہوا، جو حضرت تھانویؒ کے بہت بڑے خلیفہ تھے، الحمدللہ! ہم کو ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی، بہت بڑا مجمع تھا اس میں، تو شیخ کی طبیعت پر بھی اس کا بہت بڑا اثر تھا، تو شیخ فرمانے لگے کہ بچو! اب تو دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ فتنوں سے اس امت کی حفاظت کرے۔ تو ہوا یہ کہ ان کے انتقال کے چند ہی دنوں کے بعد بابری مسجد شہید ہوئی، اور اس کی شہادت کے بعد پورے ملک میں جو فسادات کی آگ لگی سب جانتے ہیں، تو شیخ نے کہا کہ بچو دیکھو! وہ اللہ والے چلے گئے اس کی یہ نحوست ہے کہ اب یہ امت جو ہے فتنوں کی لپیٹ میں آگئی۔ اس لیے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اب ہم لوگوں کو بہت ہی زیادہ فکر مند ہو جانے کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ ایک آدمی ہوتا ہے جو پوری امت کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنا ہوا ہوتا ہے، یعنی گناہ کیا ہوتا ہے؟ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ وہ ان کو معلوم ہی نہیں، عجیب وغریب! ہمیں تو پورا ایک سال (شوال سے لے کر شوال تک) وہاں رہنے کی نوبت آئی، خلوت کے اندر بہت سے ایسے موقع جب میں اور شیخ، دوسرا کوئی نہیں، لیکن کبھی کسی گناہ کا کوئی تصور، کوئی ارادہ، کوئی وسوسہ کبھی ان کے یہاں پہنچا ہی نہیں۔ اور مجھے تو عجیب ایک تجربہ یہ ہوا اور کسی گناہ کی بات تو دور ہے، میں جو ایک سال وہاں رہا تو مجھے ایک سال کے اندر کبھی گناہ کا وسوسہ نہیں ہوا۔ میں اپنا پرسنل (Personal) تجربہ "مسجد کے اندر" بیٹھ کر بتا رہا ہوں کہ شیخ کے دل کی کیا کیفیت ہوگی کہ میں صرف وہاں ان کے پاس رہتا تھا، تو اس ایک سال کے دوران مجھے کبھی کوئی گندا خیال، کوئی گندا ارادہ کبھی دل کے

اندرنہیں آیا، اوراس ایک سال کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دنیا کے اندر کچھ ہے ہی نہیں ۔ پڑھنا پڑھانا، اللہ اللہ، ذکر، تسبیح ،نمازیں وغیرہ ،بس یہی ۔شیخ ہمیشہ یہی تاکید فرماتے تھے کہ بس تلاوت کرو، حافظ ہے تو اس کو تو یہ کہتے کہ بس تو تو قرآن کے علاوہ کچھ کر ہی مت! شیخ کو لے کر علاج کے سلسلہ میں ایک مرتبہ پنجاب گیا، آج سے ۲۵ /سال پہلے کی بات سنا رہا ہوں کہ بالکل سیکنڈ کلاس بھی نہیں چالو ڈبے کے اندر سہارنپور سے پنجاب ہم لوگ گئے، چالو ٹکٹ لے کر بیٹھے، اور الحمدللہ بیٹھنے کی جگہ تو مل گئی، تو شیخ فرمانے لگے کہ بس! اب تو تو تلاوت کرتا رہ بیٹھ کر! مجھے مسلسل تلاوت کے اوپر لگا دیا، اور میں سمجھتا ہوں کہ پورے سفر کے اندر ایک سے ڈیڑھ ختم میرا ہو گیا، آنے جانے کے اندر، وہاں رہنے کے دوران بھی شیخ جتنی دیر بس اپنا سبق کا کام ہے وہاں تک تو ٹھیک ہے، باقی بس وقت ضائع مت کرو! قرآن زیادہ پڑھو۔کوئی بھی ملنے والا آتا، اس سے پوچھتے: حافظ ہو؟ کم سے کم ایک پارہ نماز کے اندر تلاوت کرو! اور جو خاص تلامذہ ہوتے تعلق والے ان سے کہتے: کہ میرے مرنے کے بعد مجھے بھول مت جانا! روزانہ نماز کے اندر تلاوت کر کے اس کا ثواب مجھے پہنچانا۔ مجھے بھی خاص طور سے یہ نصیحت کی تھی، یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد بھول مت جانا، روزانہ کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کا نماز میں تلاوت کر کے اس مجھے پہنچانا۔تو حضرت شیخ علیہ الرحمہ دنیا سے تشریف لے گئے، حدیث کا ان کو ایسا عشق تھا، حدیث کی ایسی محبت تھی کہ پورا دن چوبیس گھنٹے (جو تھوڑا وقت آرام کرتے، اور کھانے وغیرہ کا وقت ہوتا اس کے علاوہ) کتابوں کے علاوہ ان کا کوئی کام نہیں تھا۔کمرے کے اندر سے باہر ہی نہیں نکلتے تھے، اور کبھی کبھی یہ فرماتے تھے کہ لوگ آکر مجھے یہ کہتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر ذرا تفریح بھی کر لیا کیجیے، تو بچو! میری تفریح بھی کتابوں میں ہی ہو جاتی ہے۔ ایک کتاب پڑھتے پڑھتے دل بھر جاتا ہے، دوسری کتاب شروع کر دیتا ہوں، اسی میں میری تفریح

ہوجاتی ہے۔اور ایسی گہری نظر تھی کتابوں پر اور حدیث پر کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسا انسان، اتنا بڑا محقق اور اتنا بڑا محدث کہ جن کو ان کے میمری پاور کی ہی وجہ "ابن حجر" کہا جاتا ہے (پتھر کا بیٹا) یعنی ان کا حافظہ تھا کہ پتھر تھا یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے لوگوں کے لیے، ایسے انسان کی جس کی فتح الباری کو آج تک بخاری شریف کی اتنی ساری شروحات لکھ دی گئیں لیکن وہ آج تک پہلے نمبر پر بیٹھی ہوئی ہے، فتح الباری کو آج تک پہلے نمبر سے کوئی ہٹا نہیں سکا ہے، ایسے انسان کی غلطیاں پکڑی ہیں حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے۔آپ خود اندازہ لگائیں! اللہ تعالیٰ نے کیسا علم عطا فرمایا تھا، ابن حجر کی غلطیاں پکڑنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، قطر کی حکومت نے آج سے تقریبا ٦/سال پہلے حکومت نے دعوت دی تھی، اور وہاں جب اس نے شیخ کے لیے مجلس منعقد کی تو وہاں کے بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں شیخ نے جو درس دیا ہے، اس درس میں زبانی (سامنے کوئی نوٹ نہیں، کوئی ڈائری نہیں، کوئی یادداشت نہیں) اسی مجلس کے اندر ایک گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے تک ابن حجر کی ۱۷/ یا ۱۸/غلطیاں بتائیں، تو وہاں کے شیخ عش عش کرتے رہ گئے، کہ یہ کیا انسان ہیں! یہ کیا شیخ ہیں! ابھی وہاں سہارنپور میں پرسوں رات کو تعزیتی جلسہ ہوا اس میں شیخ کے بہت چہیتے شاگرد مولانا عبدالرحیم صاحب لمباڈا (لندن والے) کا بیان ہوا، اس میں انہوں نے شیخ کا ایک واقعہ سنایا جوانی کا، حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ کے پاس مولانا علی میاں صاحبؒ کا خط آیا کہ ایک روایت کی مجھے تلاش ہے جو کہیں مل نہیں رہی ہے، تو مجھے تلاش کر کے دیجئے، اور حضرت شیخ کا معمول تھا کہ اس طرح کے کوئی سوالات آتے تھے تو وہ شیخ یونس صاحب کو دیتے تھے (آپ جب الیواقیت الغالیہ کی جو چار پانچ جلدیں ہیں اسے دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ سوال تو حضرت شیخ کو کیا گیا ہے اور جواب شیخ لکھ رہے ہیں) چنانچہ شیخ نے وہ خط شیخ یونس صاحب کو دے دیا، اور شیخ کے پاس وہ خط آتے ہی انہوں نے جلدی جلدی

کتابیں نکالیں، اور چند منٹ کے اندر وہ حدیث نکال کر شیخ کو دے دی، شیخ نے جواب لکھ کر لکھنؤ بھیج دیا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ حیران رہ گئے کہ جو روایت میں اتنے لوگوں سے تلاش کرواتا رہا اور انہوں نے تلاش کر کے نہیں دی، اور شیخ نے تلاش کر کے دے دی۔ شیخ نے اندر لکھ دیا تھا کہ مولوی یونس جونپوری نے یہ روایت تلاش کر کے دی ہے۔ بعد میں جب مولانا علی میاں صاحب سہارنپور آئے شیخ کے یہاں، تو پوچھا کہ وہ مولانا یونس صاحب جونپوری کہاں ہیں؟ ذرا مجھے دیکھنا ہے۔ شیخ نے پکارا کہ مولوی یونس! دیکھ یہ علی میاں تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، تجھے دیکھنا چاہتے ہیں، تو مولانا یونس صاحب وہاں سامنے چلے گئے، پھٹا ہوا کرتا پہنے ہوئے ہیں، اور سادہ سالباس ہے، دبلا پتلا چھریرا بدن ہے۔ مولانا علی میاں صاحب کہنے لگے کہ یہ نہیں، وہ مولانا یونس صاحب جونپوری جنہوں نے وہ روایت تلاش کر کے دی تھی، تو کہا کہ یہی ہیں۔ حضرت شیخؒ کے پاس حدیث کی بڑی قیمتی کتابیں تھیں (مولانا زکریا صاحبؒ کے پاس)، ان کے کتب خانہ کے اندر، ان کی لائبریری کے اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی، ہاتھ لگانے کی بات تو بہت دور ہے، ایک واحد انسان اس سے مستثنیٰ تھا اور وہ تھے مولانا یونس صاحب۔ شیخ کو نہ صرف یہ کہ کتابیں پڑھنے کی اجازت تھی، بلکہ اس کے اوپر نوٹس لگانے کی بھی اجازت تھی۔ چنانچہ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت کے یہاں دار التصنیف میں جو حضرت کی ذاتی کتابیں رکھی ہوئی ہیں، اس میں شیخ یونس صاحب کے ہاتھ کے نوٹس لکھے ہوئے ہیں۔ شیخ فرماتے تھے سبق کے اندر: کہ میں حاشیہ لگاتا تھا اور جب نیچے نام لکھنے کا نمبر آتا تھا تو لکھتا تھا "محمدی" (حضور ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے) ہم نے دیکھا: شیخ کے اوپر سحر کا اثر تھا، میں نے جو ابھی پنجاب کے سفر کا تذکرہ کیا وہ اس کے (جادو کے) علاج کے سلسلہ ہی میں ہم لوگ گئے تھے، وہاں جب عامل کے پاس جا کر شیخ بیٹھے ہیں، تو شیخ سے سب سے پہلے اس نے یہ پوچھا کہ آپ کیا کرتے

ہیں؟ تو شیخ نے کہا کہ میں تو حدیث پڑھتا ہوں، حدیث پڑھاتا ہوں، ذکر کرتا ہوں، قرآن پڑھتا ہوں، تسبیح پڑھتا ہوں۔ تو وہ عامل کہنے لگا کہ اسی وجہ سے آپ بچے ہوئے ہیں، ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ پوری جنات کی ایک فوج آپ کے اوپر لگادی گئی ہے، کہ اس فوج کے ہونے کے بعد آدمی کا ایک سیکنڈ بھی زندہ رہنا مشکل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حدیث کی اور قرآن کی برکت سے بچا رکھا ہے، ورنہ آپ کو تو کب سے دنیا سے چلے جانا چاہیے۔ ایسی حالت میں میں خود وہاں موجود (Eye witness) ہوں (کہ میں رات کو وہاں شیخ کے پاس ہی رہتا تھا) کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ شیخ پوری رات میں مشکل سے آدھا گھنٹہ سوتے تھے، وہ بھی ایک ساتھ نہیں، ٹکڑے ٹکڑے کر کر کے۔ تھوڑی دیر سوتے تھے، پھر جاگتے تھے اور ہمیں بھی اٹھادیتے تھے۔ سب ملا کر کے شاید آدھا پونا گھنٹہ سوتے تھے، ہم تو مطمئن رہتے تھے کہ جو پوری رات نہ سویا ہو وہ آکر کے صبح کیسے بخاری کا سبق پڑھائے گا؟ اب سبق کیسے ہوگا؟ لیکن جب سبق کا وقت ہوتا تھا تو ایسے فریش ہوکر ہشاش بشاش ہوتے کہ ایک جمائی بھی نہیں آتی، اور ایک دم ٹٹار بیٹھ کر سبق پڑھاتے، اور ہر آدمی کا یہ تجربہ ہے کہ بخاری شریف کے سبق کے وقت شیخ کی ہر بیماری بھاگ جاتی تھی اور ان کی ہر کمزوری دور ہوجاتی تھی۔ ایسا عشق تھا، ایسا ولولہ تھا ان کو حدیث کا۔ آج امت ان سے محروم ہوچکی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے، ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے، اپنا دینی فریضہ سمجھ کر ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں، دعاءِ مغفرت کریں، ان کے لیے ایصالِ ثواب کریں، قرآن پڑھ کر، تسبیح پڑھ کر، نوافل پڑھ کر، صدقہ خیرات کر کے ان کے لیے جس کی جتنی بساط ہو، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو اس کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالی کا مخصوص بندہ بن جائے گا، یہ میرا وعدہ ہے، اللہ سے قوی امید ہے، کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ شیخ کے لیے دعا کرے گا، ایصالِ ثواب کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا مخصوص بندہ بن جائے گا، اس لیے اپنے طور پر اس کا اہتمام کریں۔

اصلاح کا کوئی موقع شیخ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، شیخ کے درس میں بخاری شریف کی عبارت پڑھنا، یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز تھا، پھر اگر شیخ کی طرف سے یہ حکم صادر ہو گیا ہو کہ اس کے علاوہ کوئی اور عبارت نہیں پڑھے گا، کیونکہ یہ صحیح بھی پڑھتا ہے، سلیس بھی پڑھتا ہے، اور تیز بھی پڑھتا ہے، ایسے طالبِ علم کے دل میں عجب وغرور، کبر و پندار کا پیدا ہو جانا، کچھ بعید نہیں۔ اسی لیے شیخ دورانِ درس میری بہت اصلاح فرماتے تھے۔ ایسے ایسے جملے بولتے تھے کہ رو رو کر میری حالت بری ہو جاتی تھی۔ لیکن شیخ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ شیخ مسلسل بولتے چلے جاتے تھے۔ اور دورہ کے ۲۵۰ ر طلبہ مجھ پر ترس کھاتے تھے۔ میں روئے جاتا تھا اور عبارت پڑھتا جاتا تھا، کبھی کبھی شیخ فرماتے تیرے اندر کبر ہے، کبر اس میں ہوتا ہے جو احمق ہوتا ہے۔ اور اس کی بڑی عجیب وغریب عقلی وجہ بیان فرماتے کہ کوئی انسان کمی کوتاہی سے خالی نہیں۔ اور متکبر اپنے آپ کو سب سے اونچا سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کا یہ زعم خالص حماقت کی بات ہے۔

شیخ احادیث کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے با محاورہ ترجمہ فرماتے تھے۔ جب روایت آئی جس میں یہ مضمون ہے کہ ایک مرتبہ آں حضور ﷺ حضرت فاطمہ ؓ کے گھر پہنچے، داماد موجود نہیں تھے، بیٹی سے پوچھا کہ علی کہاں ہے؟ عرض کیا کہ ناراض ہو کر کہیں چلے گئے ہیں۔ حضور اپنے داماد کو تلاش کرنے نکلے، دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں، اور مٹی بدن کو لگ رہی ہے۔ فرمانے لگے: قم یا ابا تراب! شیخ نے ایک مخصوص لہجہ میں اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جو آں حضور ﷺ کی شایانِ شان تھا۔ ''او مٹی والے!''

شیخ کو ادراک بہت تیزی سے ہوتا تھا۔ اور اس کے بہت سارے مشاہدے ہوئے۔ ایسا تو بہت کثرت سے ہوتا تھا، طلبہ شیخ کا بدن دبایا کرتے تھے، شیخ ایک دم سے کسی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ بس کر! پتہ چلتا تھا کہ اس کے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ بہت دیر ہو گئی، اور کتنا

دباؤں؟ اور یہ ایسی چیز ہے جس میں کبھی تخلف نہیں ہوا۔ یعنی جب بھی بدن دبانے والے کسی کے دل میں یہ خیال آیا، شیخ نے فوراً اسے کہہ دیا: بس کر! اب جا۔ اور کبھی کبھی شیخ صراحۃً بھی فرما دیتے تھے کہ تو یہ سوچ رہا ہے کہ اور کتنا دباؤں؟ اور اس کے پاس اقرار کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔